امور میں جو ہر حیثیت سے عبادت ہیں اور غیر عبادت سے وہ امور مراد ہیں جو ہر طرح سے عبادت نہیں بلکہ ایک وجہ سے عبادت اور دین ہیں اور ایک وجہ سے امور دنیا ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر خطبہ میں بدعت کی مذمت فرماتے تھے، کہتے تھے۔

كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ [۱]

(دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

ایک حدیث میں ہے۔

مَنْ اَحْدَثَ فِي اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ [۲]

جو شخص ہمارے کام (دین) میں نئی چیز نکالے جو اس سے نہیں وہ مردود ہے۔

بدعت کی مذمت میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

قرآن مجید میں بدعت کی مذمت

(۱) اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ [۳]

کیا ان کے لیے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے دین کی ایسی باتیں مقرر کی ہیں، جن کا اللہ نے اذن نہیں دیا۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دین میں اللہ تعالیٰ کے اذن کے بدوں کوئی شئی نہیں مقرر ہو سکتی۔ جو مقرر ہو اس کو بدعت کہتے ہیں۔

(۲) فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ [۴]

ان (انبیاء علیہم السلام) کے بعد نااہل لوگ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے نماز ضائع کی (یعنی

---

[۱] مشکوٰۃ

[۲] متفق علیہ

[۳] شوریٰ

[۴] مریم

پوری امانہ کی کچھ حصہ اس کا چھوڑ دیا) اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگ گئے (اپنی خواہش سے دین میں اضافہ کر لیا) یعنی دین میں کمی بیشی کی ۔(اسی کا نام بدعت ہے ۔)

۳ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ○ [1]

جو شخص آخرت کو چاہے (عمل میں مخلص ہو ۔ دنیا کا طالب نہ ہو) اور کوشش کرے جو آخرت کی کوشش ہے (جو شریعت نے مقرر کی ہے یعنی بدعت نہ نکالے) اور مومن ہو ایسے لوگوں کی کوشش قابل قدر ہے ۔

۴ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ○ عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ ○ تَصْلَىٰ نَارًا حَامِيَةً ○ [2]

کتنے آدمی جو عاجزی کرنے والے ، تھکنے والے ہیں (یعنی بدعت پر عمل کرتے کرتے تھک جاتے ہیں ، گرم آگ میں داخل ہوں گے ۔

۵ وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ [3]

ان لوگوں (عیسائیوں) نے فقیری کی بدعت نکالی ۔ ہم نے یہ ان پر فرض نہیں کی تھی مگر اللہ کی رضامندی تلاش کرنا ۔

۶ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا گھروں میں دروازے سے آیا کرو ۔

احرام کی حالت میں بعض لوگ گھروں میں دروازے سے داخل ہونا معیوب خیال کرتے تھے ۔ اس واسطے مکان کے پیچھے سے گھر میں داخل ہوتے تھے ۔ یہ دین میں اضافہ تھا ۔

۷ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ [5]

جہاں سے لوگ واپس ہوتے ہیں تم بھی وہاں ہی سے واپس ہوا کرو ۔

قریش عرفات میں نہیں جاتے تھے کیونکہ وہ حرم سے باہر ہے ، مزدلفہ ہی سے واپس ہوتے تھے یہ بات ان کی دینِ ابراہیمی میں ایک کمی تھی ۔ قرآن نے اس کمی سے روکا ۔ دین میں کمی و بیشی کا کام ہی بدعت ہے جس کی قرآن نے مخالفت کی ہے ۔ جب کتاب و سنت میں بار بار بدعت کی ممانعت کر دی گئی ہے تو اب کیسے ہو سکتا ہے کہ دین میں انسانی مرضی کے ساتھ کمی و بیشی کی جا سکے ۔ اس لیے دین محفوظ رہا اور حدیثیں لوگوں کو یاد رہیں ۔

[illegible]

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ ایم اے ڈی لٹ

اسلامی زندگی کا مطلب کیا؟

پاکستان میں اسلام کا جو حال ہوا اس پر فرشتے بھی آسمانوں پر ماتم کر رہے ہوں گے۔
ایک ایسا دعوےٰ جو گویا ہمالیہ کی چوٹیوں پر چڑھ کر خدا اور اس کے بندوں کے سامنے، بلکہ سارے عالم کے سامنے کیا گیا تھا اس کا جو حشر ہوا، اس پر

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمین

ہم ہندوستان میں اس لیے نہ رہ سکے کہ ایک مخلوط ریاست میں ہم نہ تو دینِ اسلام کو نافذ کر سکتے تھے اور نہ شخصی سطح پر اسلامی زندگی بسر کرنے کی ساری سہولتیں حاصل کر سکتے تھے۔
ہم نے یہ بھی کہا کہ:۔

"ہماری معاشرت ہندوستان سے (بلکہ کل غیر مسلم دنیا سے) جدا ہے اور ہمیں خطرہ ہے کہ اس مخلوط ریاست میں ہماری معاشرت برباد ہو جائے گی"

ہم نے یہ بھی کہا تھا کہ:۔

"ہماری ایک زبان بھی ہے جو مسلمانانِ ہندوستان کی مشترکہ قومی زبان ہے۔ متحدہ ہندوستان میں اس کا تحفظ ممکن نہیں۔ اس کے لیے بھی الگ وطن کی ضرورت ہے"

معاشی ناانصافیوں کا خطرہ بھی تھا مگر تحریکِ پاکستان میں ان عذرات کا ذکر زیادہ نہیں آیا۔ رہنما عوام کو صرف یہ یقین دلاتے رہے کہ متحدہ ہندوستان میں اسلامی زندگی کی آزادی

ممکن نہ ہوگی . . . . . وہ کچھ دیر بعض سیاسی تحفظات کا ذکر بھی کرتے رہے مگر بالآخر انہوں نے آزاد پاکستان کا مطالبہ اس لیے کیا کہ کسی مخلوط ریاست میں سیاسی و معاشی تحفظات مل بھی جائیں تو دینِ اسلام کے نفاذ کی صورت کسی حال پیدا نہیں ہوسکتی۔ . . . لہٰذا قوم کو بتایا گیا کہ پاکستان کا مقصد فقط دینِ اسلام کے عملی تجربے کے لیے ایک خطۂ ارضی کا حصول ہے جس کے بغیر یہ مقصدِ عظمیٰ پورا نہیں ہوسکتا۔

اس قطعی، واضح اور دوٹوک دعوے اور وعدے کے بعد۔ جب الگ ملک حاصل ہوگیا اور پاکستان قائم ہوگیا تو فوراً بعد، جدید الخیال قابضِ اقتدار طبقے نے تاویل، تعبیر اور حجت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

یہ قصہ ابتدا میں تو تعبیر و تاویل تک محدود رہا . . . . . . بعد میں صاف انکار کر دیا گیا۔ اور یہ نئی بات سامنے آئی کہ پاکستان تو محض سیاسی اور معاشی وجوہ سے وجود میں آیا تھا۔ اس کو دین سے کیا غرض؛

گزشتہ دو تین برسوں میں یہ موقف خاص طور سے ابھرا ہے جس کے لیے کبھی انکار اور کبھی تشکیک کا حربہ استعمال کیا جاتا ہے اور چونکہ اس موقف کی مخالفت بھی زور سے ہو رہی ہے۔ اس لیے اکثر تشکیک کا ہتھیار استعمال ہوتا ہے۔

تشکیک کے سلسلے میں ایک بہت بڑا موضوع یہ ہے کہ اسلامی زندگی ایک ناقابلِ تشریح اور مبہم ترکیب ہے . . . . . . اور اگر اس کی کوئی تعریف کہیں موجود ہے تو آج کے دور میں، یہ سارا تخیل ناقابلِ عمل ہے۔ بعض حضرات اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں اور اسلامی زندگی کو ایک ناگوار تکلیف دہ اور آج کے دور کے لحاظ سے اجنبی سا سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ کہتے یوں ہیں کہ:

"اس سائنٹفک دور میں یہ غیر سائنٹفک سا طریقِ تفکر اور طرزِ حیات عجیب سا لگتا ہے"

بنا بریں کچھ تو ان لوگوں کے جواب کے طور پر مگر زیادہ تر اسلام سے محبت رکھنے والے، (اگرچہ بے خبر) حضرات کے اطمینانِ قلب کے لیے اسلامی زندگی کا ایک خاکہ ضروری ہے تاکہ کہیں یہ لوگ بھی تشکیک کے سیلاب میں بہ نہ جائیں۔

جہاں تک میں اسلام کو سمجھا ہوں اور جہاں تک مسلمانوں کی معاشرتی تاریخ کے مطالعہ سے مجھے معلوم ہوا ہے مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ اسلام آج کے دور کے لیے فرسودہ یا ناقابلِ عمل یا تکلیف دہ یا اجنبی ہے۔

اسلام ایک سادہ، معقول فطری اور قابلِ عمل نظام حیات ہے۔۔۔۔۔یعنی اس میں کوئی ایسا حکم نہیں جو ایسی تکلیف میں مبتلا کرتا ہو جس کی طاقت اوسط انسان میں نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ یہ سیدھا سادہ نظامِ معاشرت، ہر ملک ہر قوم، ہر وطن اور ہر جغرافیے کے لیے آسان ہے۔ البتہ اس میں ایک ڈسپلن ضرور ہے۔۔۔۔۔۔۔اور وہ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان قوم ایک عظیم مشن والی قوم ہے اور ظاہر ہے کہ جتنا مشن عظیم ہوگا اس کے لیے ڈسپلن بھی اہم ہو گا۔ ۔۔۔۔۔۔ہمارے مغرب زدہ لوگ اس ڈسپلن سے نفور اور اس مشن سے انکاری ہیں۔

جو لوگ اسے مشکل سمجھتے ہیں وہ دراصل مغربی مصنفوں سے متاثر ہیں۔ ہر شے کو ان کے اقوال کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ اور موجودہ مغربی امریکی طرزِ حیات سے اس درجہ مرعوب و مسحور ہیں کہ انہیں ہر وہ شے اجنبی معلوم ہوتی ہے جو مغرب کے طریقے کے مطابق نہ ہو

* اسے کہتے ہیں، اغیار کے غلبے کا احساس
* اسے کہتے ہیں، اپنی معاشرت کے بارے میں بے یقینی۔
* اسے کہتے ہیں، خود باختگی۔
* اسے کہتے ہیں، ذہنی، فکری اور عملی غلامی۔
* اسے کہتے ہیں خودی کی شکست۔
* اسے کہتے ہیں، روحانی موت

جو حیات کی ضد اور زندگی کی نفی ہے۔۔۔۔۔۔۔اور یہ موت ہمارے مغرب زدہ طبقے پر وارد ہو چکی ہے جو براہ راست نتیجہ ہے مغربی تعلیم کا جس کا پہلا سبق یہ ہے کہ :-

○ ایشیا ذلیل ہے۔
○ ایشیا پست ہے۔
○ اور ہر وہ شے فرسودہ ہے جو ایشیا سے تعلق رکھتی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اسلام بھی ایشیا میں ہے۔

اب غور کیجئے تو اسلام میں زندگی عبارت ہے دین اور دنیا کی یکجائی سے۔ اور اس یکجائی کا نصب العین ہے انسان کی خوشی اور خوش حالی۔ اس دنیا میں بھی اور عقبیٰ میں بھی۔ اب دین و دنیا دونوں کے مجتمع عمل کے لیے، جن عقائد و اعمال کی ضرورت ہے۔ ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(الف)، عقائد

(ب) عبادات اور

(ج) معاملات (جن میں معاشرت شامل ہے)

یہ تینوں لازم و ملزوم ہیں۔ اگرچہ دنیوی امور کی کفالت و تنظیم کے لیے خارجی طور سے معاملات ہی سے زندگی کی نمود ہوتی ہے مگر معاملات صحیح عقیدوں کے بغیر صحیح اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتے۔ اور صرف صحیح عقیدے ہی اس کے لیے کافی نہیں اس کے لیے قلبی تصدیق اور رضا کارانہ روحانی آمادگی بھی لازمی ہے۔ یہ آمادگی عبادتوں سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے لیے بہترین ضمانت یہی ہے۔ جب سے عقائد، عبادات اور معاملات کے درمیان تفریق پیدا ہوئی ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ مستقل سمجھ لیا گیا ہے۔ اسلام کا تصورِ زندگی خلل پذیر ہو گیا ہے۔

زندگی کی کل خارجی عمارت معاملات کے نظم اور ان کے توازن پر قائم ہے ------ عقائد اس کی نظم کے لیے جہت متعین کرتے ہیں، اور عبادتیں اس تنظیم کو مکمل کرنے کے لیے افراد میں تعاون کا شوق ابھارتی ہیں تاکہ کسی جبر اور قانونی دباؤ کے بغیر ہی انسانی معاملات کی تنظیم، معاشرے کے لیے یا عالم انسانیت کے لیے خوشگوار نتائج پیدا کرنے کے قابل ہو جائے۔

اسلام میں اچھی اور نتیجہ خیز زندگی اسی ہمہ گیر اور بنیادی اصول پر قائم ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس وقت مغرب زدہ مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ معاملات پر تو زور دیتا ہے اور عقاید کے بارے میں بھی کچھ زیادہ کھلی مخالفت نہیں کرتا کیونکہ اس میں مخالفت یا موافقت کا پتہ نہیں چل سکتا ----- مگر عبادات والے حصے سے بہت بدکتا ہے ----- اس حصے کی کھلی مخالفت تو نہیں کرتا مگر اس کے بارے میں تشکیک، اور گاہے تضحیک کی روش رکھتا ہے حالانکہ معاملات کا سارا

معاملہ عقیدے اور اس رضاکارانہ قلبی آمادگی پر قائم ہے جس کے بغیر معاملات میں راستی، تعاون رضاکارانہ عدل وانصاف، ایثار اور قربانی اور معاشرے کے لیے جذبۂ خیر پیدا ہونا ممکن ہی نہیں۔

ظاہر ہے کہ زندگی کا ہر معاملہ اولاً ایک اصول کا متقاضی ہوتا ہے۔ ثانیاً اس کے لیے ڈسپلن (ذہنی اور عملی ریاضت کے تحت ایک اجتماعی رویے) کی ضرورت ہوتی ہے...... جو لوگ اس قسم کے ڈسپلن کے بغیر اچھے معاشرتی طرز عمل کی توقع رکھتے ہیں۔ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ انسان فطری طور سے ماحول کا پابند ہوتا ہے اس میں کچھ رجحانات اس ماحول کے تابع ہوتے ہیں۔ مگر وہ بہت کچھ تعلیم اور ریاضت سے حاصل کرتا ہے۔ اگر زندگی میں یہ ریاضت اور ڈسپلن نہ رہے تو زندگی کی گاڑی کا کوئی پہیا بھی سلامت نہ رہے..... تعلیم بھی ذہنی ریاضت کا ایک وسیلہ ہے اور اس کی ضرورت کو ہر کوئی تسلیم کرتا ہے...... تو پھر قلبی ریاضت اور روحانی ڈسپلن کی ضرورت سے انکار کیوں کر ممکن ہے۔

خلاصہ یہ کہ عقیدے اصول ہیں۔ عبادتیں ان اصولوں کے لیے آمادگی پیدا کرنے والا سلسلۂ ریاضت ہے اور ان دونوں سے وہ حسن اور نظم پیدا ہوتا ہے جسے حسنِ معاملہ یا حسنِ معاشرت کہا جاتا ہے۔ یہ معاملات ہیں اور تینوں کے اجتماع سے اچھی زندگی بنتی ہے، ہمارے مغرب زدہ طبقہ کو بظاہر اس پر کچھ اعتراض نہ ہونا چاہیے لیکن وہ معاشرتی معاملات کے حسن کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے باوجود عبادتوں کو ضروری نہیں سمجھتا اور اب تو اسے اپنے عقیدوں کے بارے میں بھی پریشانی ہے کیونکہ مغرب سے اسے متبادل عقیدے بھی برابر مل رہے ہیں جو روحانی نہیں۔ دماغی اور تجزیاتی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ہمارے مغرب زدہ کو عبادتوں کے ذریعے حاصل ہونے والے ڈسپلن سے انکار کیوں ہے؟

اس کے کئی اسباب ہیں:۔

مغرب زدہ لوگوں کے نزدیک ایک سبب تو یہ ہے کہ اچھے عقیدوں کے باوجود بعض لوگ نہ تو عبادت کرتے ہیں اور نہ ان کا معاشرتی معاملہ درست ہے۔ اسی طرح ان میں سے بعض

عبادت تو کرتے ہیں مگر معاملات میں ان کا کردار ناپسندیدہ دیکھا گیا ہے۔ اس لیے ضروری نہیں کہ عبادت انسان کو اچھا انسان بنا سکے۔ اس ابہام تاثر کے زیر یہ مغرب زدہ طبقہ عبادتوں کو معاملات کی حد تک غیر موثر کہتا ہے۔

بادی النظر میں اس طبقے کی اس رائے میں وزن نظر آتا ہے کہ جب عبادتیں، کردار میں نیکی پیدا نہیں کرتیں تو ان کا فائدہ کیا۔ لیکن غور کیجئے تو یہ صورت حال بھی ہمارے اس خیال کی تائید کرتی ہے کہ عقیدے۔ عبادتیں اور معاملات تینوں کو ایک ساتھ چلنا چاہیے۔ ورنہ الگ الگ ان میں سے ہر ایک نیکی نیکی ہونے کے باوجود حقیقی نیکی میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔

زندگی کا نتیجہ خیز اور حسین عمل ان تینوں کے اجتماع سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔ الگ الگ ان میں ہر ایک بے اثر ہے۔ اگر کوئی شخص نماز روزے میں تو ٹھیک ہے مگر عقائد اور معاملات میں اس کی نہج درست نہیں یا عقائد درست ہیں اور عبادت اور معاملات میں ناقص ہے یا معاملات کو عقائد کے ساتھ ہم آہنگ نہیں کرتا تو گویا اس نے سالم شے کے ٹکڑے ٹکڑے خود کر دیے اور اس پر وہ اس امر کا بھی متمنی ہے کہ اس شے سے متعلق فوائد و برکات اسے (یا کسی کو) حاصل نہیں ہو رہیں، اچھے عقیدوں کا دعوے کر کے، معاملات میں اچھا نہ ہونا......یہ بھی اسی جزوی عمل کا نتیجہ ہے جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔

اسی طرح یہ دعوے بھی غلط ہے کہ اچھے عقائد و اصول کے بغیر بھی معاملات اچھے ہو سکتے ہیں یہ صحیح ہے کہ کبھی اتفاقی طور سے، کسی شخص کی فطری سعادت مندی اچھے عقیدوں اور عبادتوں کے بغیر بھی معاملات میں اسے راست روی پر قائم رکھتی ہے۔ مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔ صورت اکثر اس کے برعکس ہوتی ہے۔ مغرب زدہ لوگ، یورپ کے حالات کے حوالے سے کہتے ہیں کہ:

"مغرب میں لوگ، مذہبی عقیدوں اور عبادتوں کے بغیر بھی معاملات میں درست اور راسخ ہیں۔ اس لیے نیک عقیدوں اور عبادتوں کی ضرورت کیا ہے؟"

یہ بھی غلط فہمی ہے، یہ صحیح ہے کہ یورپ کے لوگ کل تک عقل کی مدد سے اچھے معاشرتی اخلاق کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ مگر یہ دلیل بھی ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے۔ اس لیے کہ ان کے معاشرتی اخلاق کی بنیاد بھی چند اصولوں پر ہے۔ اور یہ اصول چند عقیدوں سے ابھرے ہیں۔ یہ اور بات ہے

کہ ان عقیدوں کی نہاد روحانی نہیں عقلی تمدنی اور تجرباتی ہے ...... مگر ہیں تو یہ عقیدے ہی .... پس معاشرتی عمل کے لیے عقاید اور تجربے (ریاضت) کی ضرورت واضح ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عقل اور اخلاقی اصولوں کے راستے خاصی دور تک مشترک ہیں...... عقل کے مطابق تمدنی عمل کی ریاضت، خاصی حد تک عبادت کے مقصد کے قریب قریب جا پہنچتی ہے۔

لیکن یہ یاد رہے کہ عقلی تمدنی اصول نہایت مفید ہونے کے باوجود ضروری نہیں کہ معاملات میں صحیح نہج اختیار کریں۔ اسی طرح عقلی تمدنی اصولوں کا عمل اس لیے سطحی ہی رہتا ہے کہ اس سے نیکی کے لیے قلبی اور رضاکارانہ آمادگی پیدا نہیں ہوتی۔ عقلی اصول اسی حد تک تعاون پر ابھارتا ہے جس حد تک محدود ذاتی منفعت متاثر ہوتی ہو......... عقل معاملات میں ڈسپلن اور ایثار کی ضرورت کو سمجھ تو سکتی ہے مگر فرد کے وجدان کا حصہ نہیں بن سکتی........ یہ کام صرف عبادت سے ہو سکتا ہے۔

ہمارے مغرب زدہ لوگ بڑے زمانے تک مغرب کے اس عقلی تمدنی اصول کے گن گا گا کر، اپنے عباداتی نظام کا مضحکہ اڑاتے رہے لیکن ایک تو خود یورپ میں عقلی تمدنی اصول بیکار ہوتا گیا اور نجی اخلاق، معاشرتی اخلاق اور بین الاقوامی اخلاق اور ہمہ گیر انسانی اخلاق میں فرق یوں ہونے لگا کہ ایک شخص بازار میں تو بھلے مانس ہے مگر گھر میں پہلے درجے کا غنڈا ہے۔ یا اپنے ملک کے اندر تو شریف آدمی مگر دوسری اقوام کے معاملہ میں بدترین خلائق اور مکروہ حد تک چالباز ہے...... اور اب تو یورپ والوں نے یہ اقرار بھی کر لیا ہے کہ انسان حیوان ہے اور حیوان ہی رہے گا........ اس سے نیکی ممکن ہی نہیں........ گویا اب عقل کی مدد سے شرافت کا اصول بھی گیا۔

دوسرا یہ کہ یہاں کا مغرب زدہ آدمی رات دن مغرب والوں کے معاشرتی اخلاق کے قصیدے پڑھنے کے باوجود، مغرب کے عقلی تمدنی اصول تک کو بھی اپنا رہنما نہ بنا سکا .... بد دیانتی اور رشوت ستانی اور جعل سازی کو آرٹ بلکہ سائنس بنا کر........ اتنا بھی نہ کر سکا کہ نجی اور کاروباری معاملات میں اتنی ہی شرافت پیدا کر لیتا جو عام یورپ

دالے میں ہوتی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ مغرب کا عقلی تمدنی اصول بھی یہاں زیادہ دیر چل نہیں سکتا۔ قلبی انقلاب اور نیک معاملات کے لیے آمادگی کی خاطر کسی اور شے کی ضرورت ناگزیر ہے۔۔۔۔۔۔۔ اور وہ ہے عبادت۔۔۔۔۔۔ صرف عبادت !

مغرب زدہ آدمی عبادت سے اس لیے گریزاں ہے کہ اس کی وجہ سے، اسے ایک خاص قسم کے ڈسپلن کا پابند ہونا پڑتا ہے اور اس ڈسپلن کی پہلی شرط ضبطِ نفس ہے۔ یہ اسے گوارا نہیں۔ وہ تو زیادہ سے زیادہ حیوان رہنا چاہتا ہے کیوں کہ اس کی رائے میں یورپ میں یہی کچھ ہوتا ہے۔

لیکن اس کی یہ رائے صحیح نہیں۔ یورپ والا اگر آداب اور ڈسپلن کا اتنا مخالف ہوتا تو وہ اب تک بدنظمیٔ حیات کا شکار ہو چکا ہوتا۔۔۔۔ اور جتنا جتنا ڈسپلن میں کمزور ہوتا جا رہا ہے مغربی معاشرہ بدنظمی کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔

مغرب زدہ کہہ سکتا ہے کہ اس بدنظمی سے ہمارا کیا بگڑتا ہے۔۔۔۔۔ ہماری تو

شب دل آرام سے گزرتی ہے
صبح اٹھ جام سے گزرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے
اب تو آرام سے گزرتی ہے

لیکن یہ اس کی غلط فہمی ہے۔۔۔۔۔ بدنظمیٔ حیات، بالآخر، ناخوشی اور ابتریٔ احوال سے دوچار کرتی ہے۔

زندگی کا مقصد، ارضی قیامِ انسانی کو خوشگوار بنانا ہے۔ اپنے لیے بھی، اوروں کے لیے بھی۔۔۔۔۔، یہ قلبی آمادگی اور ریاضت کے بغیر ممکن نہیں۔ دیرپا خوشی، خواہشوں کی آزادیٔ کامل میں نہیں بلکہ ضبطِ نفس کے ذریعہ جائز تمتع میں ہے اور یہ عبادت کے بغیر ممکن نہیں ۔۔۔۔ حیوان اور انسان میں یہی فرق ہے۔

میں نے عبادت کے مسئلے پر کچھ زیادہ ہی لکھ دیا ہے۔۔۔۔۔۔ وجہ صرف یہ ہے کہ

مغرب زدہ آدمی ، اسلامی زندگی کے اسی قلبی ڈسپلن سے زیادہ گبھراتا ہے ۔حالانکہ وہ اگر ذرا سوچے تو اس میں خوشی کے جملہ امکانات موجود ہیں ۔ عبادت کا ذکر جب آتا ہے تو ہمارے معاشرے کے بعض تارک الدّنیا زاہدوں کا تصور معاً سامنے آجاتا ہے......... اور عام خیال یہ ہونے لگتا ہے کہ اسلامی زندگی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص رات رات بھر نمازیں پڑھے ، سال بھر کے روزے رکھے......... خود کچھ نہ کمائے ...... اوروں کے دیے پر گزر بسر کرے ، زندگی کی جد وجہد میں شرکت نہ کرے ..... اور ہر وقت اللہ اللہ کر کے عمر گزار دے ...... اور زندگی کی ہر لذت سے کنارہ کش رہے ۔ درحقیقت یہ تصور یک طرفہ ہے .... یہ کسی ایک شخص کا ذاتی عمل تو ہو سکتا ہے مگر اس کے لیے کوئی اجتماعی سند موجود نہیں ...... اسلام میں زندگی ایک انعام ہے ..... اور کائنات میں موجود، ہر شے انسان کے لیے ہے ۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک ہمہ درکارند
تا تو نانے بکف آری و بہ غفلت نہ خوری

قرآن مجید میں زندگی کے انعامات سے بہرہ اندوز ہونے کی جا بجا تلقین موجود ہے .... لیکن اس کے ساتھ شرط یہ بھی موجود ہے کہ یہ تمتعات جائز حد کے اندر ہوں .... اس کے علاوہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان تمتعات میں بری طرح الجھ کر وہ اہم فریضے آنکھوں سے اوجھل نہ ہو جائیں جن کی وجہ سے انسان کو دیرپا راحت ملتا ہے ، .... اور اس کی زندگی اپنے لیے اور دوسروں کے لیے بھی بامعنی اور خوشگوار ہو جاتی ہے ۔

اسلامی تصور کی رو سے ، ایک مسلمان کے دو بنیادی فریضے ہیں :-

- ایک فریضہ یہ ہے کہ مسلمان ہمہ وقت داعی (مشنری) ہوتا ہے ۔دعوت الی الخیر اور دعوت الی الحق ایک مسلمان کا بنیادی فرض ہے .... دنیا کی تمام مخلوق کے لیے مسلمان داعی بنا کر بھیجا گیا ہے ۔
- دوسرا فریضہ ہمہ وقتی جہاد کا ہے ۔نیکیوں کو زندہ رکھنے اور بدی کے مقابلے میں ان کے

تحفظ کا فریضہ دائمی اور ہمہ وقتی ہے۔ اس لحاظ سے ایک مسلمان، ہمہ وقت داعی اور ہمہ وقت سپاہی ہے۔

ان دونوں اہم فریضوں کی صحیح بجا آوری کے لیے ایک بااصول اور مستعد زندگی کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔ اور ظاہر ہے کہ نفسانی طور سے حریص آدمی اس قسم کی زندگی کے قابل نہیں ہوتا۔

اس لیے یہ ثابت ہوا کہ عبادتوں کا مقصد رات بھر نماز یا سال بھر کے روزے نہیں بلکہ ارکانِ اسلام کی صحیح بجا آوری اور بااصول اور مستعد زندگی گزارنا ہے۔ اور اس کے ساتھ زندگی کی کل نعمتوں سے فائدہ اٹھانا جو بااصول اور مستعد زندگی کے لیے ضروری ہوں۔

ہم میں سے اکثر لوگ چونکہ مغربی ذوق اختیار کر چکے ہیں۔ اس لیے وہ اپنی بااصول زندگی کے تقاضوں سے بیگانہ ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔۔ اور زندگی کے ان اسالیب پر فریفتہ ہیں جو یورپ نے ہم میں پھیلا دیے ہیں۔ اپنی گمراہی کے باعث ہم یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اسلامی زندگی کا دوسرا مطلب یہ ہوگا کہ ہم خوش پوشی، خوش ذوقی، باسلیقہ معاشرت، ذوقِ جمال اور ادراکِ حسن جیسی نعمتوں سے محروم کر دیے جائیں گے۔

مگر کوئی ہمیں یہ بتائے کہ گزشتہ بارہ تیرہ سو برس میں، ہماری معاشرتی تاریخ کے کس دور میں، ان نعمتوں پر کوئی پابندی لگی ہے؟

اگر بعض مواقع پر بعض خاص بے اعتدالیوں کے خلاف ہنگامہ ہوا ہوگا تو وہ بے اعتدالیوں کے خلاف ہوا ہوگا۔

مثلاً آج بھی اگر کوئی شراب نوشی، قمار بازی، بدکاری، اسراف، فضول خرچی اور اس قسم کے دوسرے مشاغل کے خلاف آواز بلند کرے تو اس پر اعتراض کی کیا گنجائش ہے؟

بعض لوگ اسلام کے بعض معاشرتی تصورات سے خوف کھاتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا تصور مرد و زن کے الگ الگ رائے کا ہے۔۔۔۔۔۔ مغرب نے انسانی سوسائٹی پر چند بڑی بڑی لعنتیں مسلط کی ہیں۔ ان میں ایک بے محابا اختلاط مرد و زن بھی ہے۔ ہمارے مغرب زدہ حضرات، مغرب کے اس تحفے سے بے حد خوش ہیں۔۔۔۔۔۔ اور اسلامی زندگی کی مخالفت

کی ایک بڑی وجہ مخلوط معاشرے سے ان کی دل چسپی بھی ہے۔

لیکن یہ حضرات کچھ غور فرمائیں تو انہیں صاف نظر آجائے گا کہ یہ دل چسپی عارضی خوشی اور دیرپا ناخوشی پر منتج ہوتی ہے۔

مخلوط معاشرے نے گزشتہ بیس برسوں میں ہمارے ملک میں کئی گھرانوں کو برباد کیا ہے، اس ملک کی اکثر دوسری شادیاں ان اونچے گھرانوں میں ہوتی ہیں۔ جہاں مخلوط معاشرت موجود ہے......اور اگرچہ عائلی قوانین موجود ہیں مگر اونچے طبقے کے "مخلوطی" پہلی بیبیوں کے ہوتے، دھڑا دھڑ دوسری شادیاں رچاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں اکثر طلاقیں بھی اسی مخلوط معاشرت کا فیضان ہے۔ ہمارے ملک کی خاندانی زندگی کی ابتری بھی اسی رسم بد کا عطیہ ہے۔

غرض نفسانی حرص سے ذرا الگ ہو کر اور یورپ کی عینک اتار کر ذرا بھی غور کیا جائے گا۔ تو مخلوط معاشرت ہزارہا روحانی مصائب کا سرچشمہ نظر آئے گی۔

ہمارے ملک کے لادین مسلمان خواتین کو مختلف طریقوں سے ڈرا رہے ہیں کہ اسلامی زندگی کا مطلب یہ ہوگا کہ تم پھر قید میں ڈال دی جاؤ گی۔

قید میں مسلمان عورت نہ پہلے تھی نہ اب ڈالی جائے گی۔ ہم نے چالیس پچاس سال پہلے تک کے مسلم معاشرے کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس میں حیا کی قید تو تھی باقی کوئی قید نہ تھی۔ حیا کے تحفظ کے لیے پردہ مختلف شکلوں میں موجود تھا۔ راہ چلتی خواتین جب گاؤں کے کنویں سے پانی بھر کر واپس آتیں تو راستے میں اجنبی مرد کے نمودار ہونے پر منہ دیوار کی طرف کر لیتی بس یہی قید تھی۔ کھیتوں میں اپنے مردوں کے ہمراہ کام کرنا اب بھی معمول ہے۔ اس میں حیا کے سوا کوئی قید نہیں۔

مقصد چونکہ حیا کا تحفظ تھا اس لیے جہاں زیادہ سخت تدابیر کی ضرورت سمجھی جاتی تھی۔ وہ بھی کی جاتی تھیں......عورتیں جب دوسرے گاؤں جاتی ہیں تو ایک لمبی چادر میں خود کو چھپا لیتی تھیں۔ شہروں میں یہی کام برقعہ سے لیا گیا۔

آج جو امراء پردے کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ سخت پردہ انہیں کے آبا و اجداد نے

اپنی برتری کے اظہار کے لیے نافذ کیا تھا۔ وہ یہ کہتے تھے:

"ہماری عورتیں دوسری عورتوں کی طرح باہر کیسے نکل سکتی ہیں"

یہاں تک کہ پالکیوں کے اندر پتھر رکھ دیئے جاتے تھے تاکہ صحیح وزن کہاروں کو بھی معلوم نہ ہونے پائے۔

یہ شدت اصرار نے پیدا کی تھی وہ اب مغرب کے غلام ہوئے تو انہوں نے پردہ شکنی میں بھی شدت اختیار کی اور ان کی "بگڑی ہوئی" خواتین نے شور مچانا شروع کر دیا:

"عورتوں کو قید سے نکالو۔ عورتوں کو قید سے نکالو"

قید سے نکالنے کے ان کے نزدیک یہ معنی نہیں کہ عورتوں کو چلنے پھرنے اور اپنے کام کاج کرنے اور مناسب تفریح کی آزادی دو (وہ تو ہمیشہ حاصل رہی ہے) بلکہ یہ ہیں کہ عورتوں کو دوسرے مردوں کے ساتھ گھومنے پھرنے، نائٹ کلبوں، شراب خانوں اور قہوہ (= قحبہ) خانوں میں آنے جانے کی کھلی اجازت دو ------- اب تعلیم گاہوں میں ان عورتوں کی اولادیں قید سے بالکل آزاد ہیں ------ چنانچہ ہر دیوار کے سائے میں کھلم کھلا کچھ ہوتا رہتا ہے۔!

قید سے نکالنے کا اگر یہ مطلب ہے تو یہ تو شاید بڑا ناجائز مطالبہ ہے ------ آخر ہم مسلمان ہیں۔ ہمارا ایک معاشرتی ضابطہ ہے جس کے اصول خود قرآن مجید میں موجود ہیں یہ اصول ایسے ہیں جو مسلمانوں کے معاشرتی ڈسپلن کے لیے ضروری ہیں۔ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے یہ ڈسپلن ضروری ہے۔ آخر وہ بھی کیا سوسائٹی ہے جس کے کچھ آداب نہ ہوں ------ مسلمان زندگی میں جو مشن لے کر آئے ہیں اس کے لیے مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے یہ آداب یہ ڈسپلن ضروری ہے۔

مگر اس کا کیا کیا جائے کہ اب ہم جس مسلمان گروہ میں چل پھر رہے ہیں۔ وہ اس عظیم مشن ہی کا قائل نہیں ------ وہ خود کو ایک بین الاقوامی معاشرہ کا فرد سمجھتا ہے ------ یعنی فرنگی معاشرہ کا۔ اسے یہ یاد ہی نہ رہا کہ مسلمان ایک مخصوص منفرد غیر معمولی مشن والی قوم ہے اور اپنے آداب میں کچھ انفرادیت رکھتی ہے۔ تعلیم یافتہ مسلمانوں نے

ایک سو سال سے، مغربی تصورات کے تحت، خاندانی نظام کی حکمت پر غور کرنا چھوڑ دیا ہے ------اس نظام میں ہر فرد خاندان کا ایک مقرر منصب ہے ------ان مسلمانوں نے پہلے خواتین کے منصب کے بارے میں اپنے فرائض چھوڑ دیے۔ اب اپنے بچوں سے بھی غافل ہیں۔

نتیجہ یہ کہ معاشرہ خوشی اور سکون سے محروم ہوتا جاتا ہے ------عورتیں، عیسائی اساتذہ کے پروپاگنڈے سے متاثر ہو کر، اسلام کو قید سمجھ رہی ہیں------اور بازار کا اشتہار بننا ------اور مرجھائے ہوئے پھول کی طرح ارزاں فروخت ہونے پر فخر کرنا ان کا شیوہ ہے۔

بظاہر انہیں اس میں راحت نظر آتی ہے ------مگر چند دن کی راحت کے بعد جو کرب اور بے چینی اور دوامی تکلیف اس طبقے کے حصے میں ہے اس سے ہر وہ کوئی باخبر ہے جسے اس طبقے کے حالات معلوم ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ خواتین جس شے کو قید سمجھ رہی ہیں وہ قید نہیں ------ڈسپلن ہے انہیں اس ڈسپلن کے تحت پوری آزادی حاصل ہے ------زندگی کی ہر خوشی میں وہ حصہ دار ہیں، زندگی کے ہر عمل میں، اپنی فطری صلاحیتوں کے اندر رہ کر، وہ شریک ہیں۔

یہ فطری صلاحیتوں والی بات بڑی اہم ہے، مغرب نے یہ گمراہی پھیلا دی ہے کہ عورت ہر کام کر سکتی ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ بعض ایسے کام ہیں جو عورت کبھی نہیں کر سکتی مثلاً سپاہی کا کام، بڑی ریاضت کے باوجود عورت نہیں کر سکتی۔ اس طرح مرد عورتوں کے کاموں میں مہارت حاصل نہیں کر سکتے خواہ معمولی حد تک شد بد پیدا کر بھی لیں۔

تو کہنا یہ ہے کہ عورتوں کو ہر آزادی حاصل ہے جو حیا، تحفظِ عصمت اور تحفظِ خاندان کے تقاضوں سے نہیں ٹکراتا------اس قسم کی آزادی اور پابندی مردوں کے کے لیے بھی ہے۔ ہاں ان کا دائرہ کار خارج میں ہے اس لیے وہ باہر چلتے پھرتے نظر آتے ہیں، ورنہ ڈسپلن ان کے لیے بھی ہے اور عورتوں کے لیے بھی۔

ہاں بے حیائی سے برہنہ نیم عریاں اور بے شرمی سے آوارہ گھومتے پھرنا ---- اور آزادی سے ناجائز فائدہ اٹھانا اسلامی زندگی میں ممکن نہیں -------- اور اسے قید نہیں کہیں گے بلکہ آداب کا نفاذ کہا جائے گا۔

اہل مغرب پر ایمان لانے والے اور بھی بہت کچھ کہتے ہیں۔ مثلاً ان کا پھیلایا ہوا خیال یہ ہے کہ:۔

"اسلامی زندگی پر تخلیقی عمل (تخلیق فن) کی مخالف ہے"

یہ بہتان ہے اور مسلمانوں کی تاریخ کا ہر دور اس کی تردید کرتا ہے چنانچہ شاعری خطاطی، تعمیر، نقاشی اور دوسرے بے شمار فنون نے مسلمانوں کے زمانے میں لا مثال ترقی کی -------،

ہمارے مغرب زدہ لوگ مجسمہ سازی اور ڈراما کو سامنے رکھ کر، یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسلمان فن کے مخالف رہے ہیں اور تفریحات سے دشمنی کرتے رہے ہیں۔!

لیکن یہ محض تہمت ہے ---- مسلمانوں نے زندگی کی ہر جائز تفریح سے اجوان کے منصب جہاد اور ذوقِ غلبہ سے متصادم نہ تھی، تمتع کیا ہے ------!

یہ کیوں سمجھ لیا گیا ہے کہ فنون لطیفہ محض مجسمہ سازی یا ڈرامہ ہے، یہ بعض فن ہیں جو بعض اقوام سے مخصوص ہیں ----- مسلمانوں کے فن اپنے ہیں -------- اور اس کے عمرانی وجوہ ہیں۔ مغرب زدہ یہ اعتراض نہیں کرتا کہ یورپ والوں نے خطاطی کیوں نہیں کی؛ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسلمان فنون لطیفہ کے مخالف ہیں۔

اگر کوئی شخص مغل شہزادیوں کی شہ سواری، تیر اندازی اور شمشیر زنی کی رودادیں کتابوں میں دیکھے تو اسے حیرت ہوگی ------ مسلمانوں نے ان سب تفریحات کو ابھارا جو قوت کی مظہر تھیں .... اور تعیش کی راہوں سے بچ کر نکلے (اگرچہ اس معاشرہ میں بگڑے ہوئے لوگ پھر بھی نہ بچ سکے)، مگر عام آدمی جرأت آموز کھیل کھیلتا تھا ---- رجز سے دلوں کو گرماتا تھا -------- اور زندگی کے سچے ڈرامے (کہانی) سے دلچسپی رکھتا تھا۔

اسلامی زندگی اگر اب بھی آئی تو اس قسم کی ذوقیات کو ترقی دے گی ---- ذوقِ زندگی، ذوقِ علم وانکشاف، ذوقِ جہاد اور ذوقِ تسخیر ---- یہ چاروں ذوق اسلامی معاشرے میں فروغ پائیں گے جیسے کہ وہ اسلام کے دورِ عروج میں پہلے بھی ترقی کر چکے ہیں۔

مجھے تو یہ صاف صاف نظر آ رہا ہے ---- اور مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی دل تنگی محسوس نہیں ہوتی ---- مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ہمارے ملک کا تعلیم یافتہ آدمی مغرب پر ایمان لا چکا ہے ---- اور ایمان بھی بالغیب، وہ اپنی خودی کو بیچ چکا ہے ---- اسے مشرق و مغرب میں فرنگ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ فرنگ کے اسلوبِ حیات کے سوا کوئی اور اسلوب بھی ہو سکتا ہے ---- یہ اس کے قلب و نظر کی محرومی ہے۔

بہر حال توفیق خدا کے ہاتھ میں ہے۔ ہر کسی کو اسلامی زندگی کے بارے میں صحیح تصور پیدا کرنا چاہیے ---- اس سلسلے میں غلطی علماء کی بھی ہے کہ وہ اسلامی زندگی کا بعض اوقات ایسا تصور دیتے ہیں کہ اس سے گھٹن محسوس ہوتی ہے ---- اور دراصل یہی لوگ ہیں جن کی مثال دے کر، مغرب زدہ لوگ، عام مسلمانوں میں اسلامی زندگی کے بارے میں بیزاری پھیلاتے ہیں ---- اب میں کیسے کہوں کہ علماء کو بھی وقت کی آواز پر کان دھرنا چاہیے کیوں کہ اس کے بغیر وہ دین کی سچی خدمت نہیں کر سکیں گے۔